ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

قولو قولاً سدیداورانماالاعمال بالنیات کی روشنی میں والدین کونصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹ راگست ۱۹۹۱ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ ایک لمبے عرصہ سے جو تقریباً چھ ماہ پر پھیلا پڑا ہے نماز کے موضوع پر خطبات کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ سلسلہ بند ہونے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ اب کس موضوع پر کل کا خطبہ دوں تو اس قسم کا کچھ خلا محسوس ہوا کہ جیسے اچانک چلتے چلتے رہٹ کھڑا ہو جائے تو ایسی خاموشی ہوتی ہے جس میں خیالات بھی خاموش ہو جاتے ہیں تو رات دعا کر کے سویا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی جس موضوع پر چاہے وہ خطبہ دلا دے۔ میرے ذہن میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ صبح آنکھ اس حالت میں کھلی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا تقویٰ سے متعلق ایک شعر بڑے زور سے زبان پر جاری تھا اس پر مجھے یہ سمجھ آئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہے کہ تقویٰ کا مضمون کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کا کبھی بھی حق ادا نہیں ہو سکتا اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر جماعت احمدیہ کی آئندہ ایک سو سال کی نہیں بلکہ ہزاروں سال کی عمارت تعمیر ہونی ہے اس لئے اس موضوع پر مزید خطبات کی ضرورت ہے۔

اس پہلو سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اس شعر سے روشنی پاتے ہوئے کہ:

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے (درثمین:۔۔)

میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ تقویٰ کی جڑ نیتوں پر ہوتی ہے اور اس پر میرا ذہن حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی اس حدیث کی طرف چلا گیا جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ **انما الاعمال بالنیات** . (بخاری کتاب الایمان حدیث:۱) تمام اعمال کی بنیاد نیتوں پر ہے۔ یہ درحقیقت ایک ہی مضمون ہے لیکن طرز بیان مختلف ہے، اظہار مختلف لفظوں میں ہوا ہے لیکن بعینہٖ ایک ہی مضمون ہے جو بیان ہو رہا ہے۔ ہر انسان کے ہر عمل کی جڑ اس کی نیت میں ہوتی ہے پس اگر وہ جڑ تقویٰ ہو تو اس کے اعمال کی تمام تر عمارت خواہ وہ ثریا تک جا پہنچے وہ خدا کے حضور مقبول اور حسین ہوگی۔ ایک خوبصورت اور دلکش اور پائیدار عمارت تعمیر ہوگی اور اگر نیتوں کی جڑ میں نقص پیدا ہو جائے تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اگر عمارت کے تصور کو چھوڑ کر جڑ کے تصور سے درخت کی مثال آپ اپنی نظر کے سامنے لائیں تو جو جڑ بیمار ہوتی ہے اس کا تنا بھی بیمار ہوتا ہے، اس کے پتے بھی بیمار ہوتے ہیں، اس کے پھل بھی بیمار ہوتے ہیں اور بیمار جڑ والے درخت کو آپ جو چاہیں کرلیں اس کا علاج ممکن نہیں سوائے اس کے کہ اُسے جڑوں سے اکھیڑ پھینکا جائے یا ایسی دوا دی جائے جو جڑوں میں اتر کر جڑوں کی بیماری کا کچھ علاج کر دے۔ مجھے زمیندارے میں بارہا ایسا تجربہ ہوا ہے کہ پودوں کی، درختوں کی بہت سی ایسی بیماریاں ہیں جو پتوں پر، پھلوں پر، شاخوں پر حملہ کرتی ہیں اور ان کا علاج ممکن ہے لیکن ایسا درخت جو کونپلوں سے سوکھنا شروع ہوتا ہے اور نیچے کی طرف اس کی بیماری کا عمل حرکت کرتا ہے یعنی کناروں سے شروع ہو کر نیچے کی طرف تو ایسے درخت ہمیشہ جڑوں کی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور جب تک جڑ کی فکر نہ کی جائے اس درخت کا کوئی علاج ممکن نہیں۔ پس اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی فرمودہ نصیحت جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ **انما الاعمال بالنیات** ، اس کو پیش نظر رکھ کر میں آپ سے آج کچھ خطاب کروں گا۔ یہ حدیث مختلف کتب میں مروی ہے، کہیں چھوٹی، کہیں کچھ بڑی، میں نے جو حدیث لی ہے وہ **بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله** ﷺ سے اخذ کی ہے۔ اور یہ پوری حدیث اس طرح بیان ہوئی ہے کہ

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحي بن سعید الانصاری

قال اخبرني محمدبن ابراهيم التميى انهٔ سبع علقمة على المنبر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ((انما الاعمال بالنيات ،وانما لكل امرى مانوىٰ ،فمن كانت هجرتهٔ الى الله ورسولهٖ فهجرتهٔ الى الله ورسولهٔ ومن كانت هجرتهٔ لدنيا يصيبها ،او امراةً ينكحُها فهجرتهٔ الى ماهاجراليه

(بخارى باب كيف كان بدء الوحى رسول الله)۔

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں یعنی تمام روایت کا سلسلہ چھوڑتے ہوئے آخری راوی سے اصل مضمون کا ترجمہ بیان کررہا ہوں، چونکہ یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر عام خطاب میں بیان فرمائی۔ پس آپ کی روایت یہ ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: سب اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی بدلہ دیا جاتا ہے۔ پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی اور ان کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن اور خواہشات کو ترک کردیا اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہوگی لیکن جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت کی غرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہی قرار پائے گی جو اس کی اپنی نیت ہے یعنی اپنی نیت کا پھل جیسی بھی وہ نیت ہے اس کے مطابق اس کو ملے گا۔

اس حدیث کا اطلاق انسان کی ساری زندگی پر، اس کے تمام خیالات پر اور اس کے تمام اعمال پر ہوتا ہے۔ بہت ہی وسیع مضمون سے تعلق رکھنے والی حدیث ہے اور انسانی نفسیات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ انسانی نفسیات کی وہ جڑ ہے جس کو اگر پکڑ لیں تو ہر انسان کی نفسیات کی الجھن اس سے حل ہوسکتی ہے اور درحقیقت Psychiatrist اسی جڑ کی تلاش میں Psychiatry سے متعلق محنت اور جدوجہد کرتے ہیں اور مختلف مریضوں سے سوالات کرتے کرتے بالآخر ان کی تلاش جڑ کی تلاش ہوتی ہے کہ یہ شخص کیسے بیمار ہوا تھا آغاز کیسے ہوا تھا، دماغ میں وہ پہلا فتور کیسے پڑا تھا جس کے نتیجے میں یہ اتنی پیچیدہ بیماری لاحق ہوئی اور بیماری کے آغاز کا جو آخری نقطہ ہے وہ نیت کے آغاز کا نقطہ ہوا کرتا ہے اس سے آگے پھر سارا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

پس انسانی زندگی بہت ہی Complex زندگی ہے، بہت ہی الجھی ہوئی اور پیچیدہ زندگی

ہے اور اگر آپ بیرون سے انسانی خیالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کریں تو بہت ہی مشکل کام ہے۔ اور باہر سے کسی شخص کی نیت تک پہنچنا اگر ممکن بھی ہو تو اس کا حد تک جواز نہیں ہے کہ کوئی انسان اپنے تجزیے کو کسی دوسرے پر ٹھونس سکے۔ پس اس مضمون پر غور کرتے ہوئے یہ نقطہ سمجھ آتا ہے کہ یہ سفر ہر شخص کو خود اختیار کرنا ہوگا۔ اپنی نیتوں کا خدا کے بعد سب سے زیادہ انسان خود واقف ہوتا ہے۔ جب وہ غیروں کے سامنے اپنے ارادے بیان کرتا ہے تو ہمیشہ پیچ وخم کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ہمیشہ ان کو خوبصورت لباس میں ڈھانپ کر پیش کرتا ہے۔ شاذ ہی کوئی ایسا انسان ہو جو اپنے ارادوں کو من وعن اسی طرح کسی کے سامنے رکھ دے ورنہ یہ انسانی فطرت ہے کہ اپنی نیت کو چھپاتا ہے۔ جس طرح جڑ کو مٹی سے ڈھانپا جاتا ہے اسی طرح انسان بھی اپنی نیتوں کو جو پہلے ہی اندر چھپی ہوئی ہوتی ہیں مزید مٹی سے ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی کے نتیجے میں دنیا کے تعلقات میں اکثر فتور واقع ہوتے ہیں بلکہ تمام تر فتور کہنا چاہئے ایک بھی انسانی تعلقات میں خلل ایسا نہیں، ایک بھی انسانی تعلقات کا فساد ایسا نہیں جس کی بنیاد نیت پر نہ ہو اور نیت میں اگر تقویٰ شامل نہ رہے تو پھر جو بھی درخت اس سے پیدا ہوگا جو بھی نشو ونما پائے گا، جو درخت بھی پھل دے گا وہ سارے پھل کڑوے اور گندے ہوں گے۔

اس مضمون کو عمومی رنگ میں بیان کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ اب انسانی تعلقات کے مختلف چھوٹے چھوٹے دائروں میں اس مضمون کا اطلاق کر کے آپ کو دکھاؤں اور آپ کو بتاؤں کہ کس طرح تقویٰ کے فقدان کے نتیجے میں انسانی تعلقات فسادات کی نظر ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد میں ایک مثال نکاح کی دی ہے کہ ایک مرد ایک عورت کی نیت لے کر سفر کرتا ہے۔ یعنی نیتوں کے سفر میں ایک عورت کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ وہی عورت اس کا مقصود ہے لیکن یہ مضمون چونکہ بہت ہی گہرا اور وسیع ہے اس لئے اس مثال کو سطحی نہ سمجھیں۔ اس مثال کے اندر انسانی تعلقات کے دائرے کا ایک بہت ہی وسیع حصہ زیر بحث لایا گیا ہے۔ عورت کی طرف انسانی سفر کیسے ہوتا ہے؟ اور کیا وہ ایک ایسی نیت ہے جو ہر شخص میں مشترک ہوتی ہے یا نیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اس مضمون پر اگر آپ غور کریں تو آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد ذہن میں آتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ جب تم شادی کی نیت کرتے ہو تو وہ شادی دنیاوی مناصب اور مرتبوں کی خاطر بھی ہو سکتی ہے، خاندانی منصب اور خاندانی وقار اور وجاہت کی خاطر بھی ہو سکتی ہے، اموال کی خاطر

بھی ہوسکتی ہے اور وہ شادی حسن کی خاطر بھی ہوسکتی ہے لیکن وہ شادی دین کی خاطر بھی ہوسکتی ہے اس لئے تمہیں میری نصیحت یہ ہے کہ اپنی شادی دین کی خاطر کیا کرو۔

اب اس مضمون میں جو چار باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ان پر اگر آپ مزید غور کریں تو اور پھیل جاتی ہیں اور یہ مضمون بہت زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شادی کے معاملے میں نیتوں کا سفر صرف لڑکا یا لڑکی نہیں کرتے بلکہ ان کے ماں باپ بھی کرتے ہیں ان کی بہنیں بھی کرتی ہیں۔ان کا معاشرہ بھی کرتا ہے اور یہ سفر بظاہر ایک لڑکی کی طرف ہوگا یا ایک لڑکے کی طرف ہوگا لیکن اس میں ایک قافلہ شریک ہو جاتا ہے اور ہر ایک اپنے رخ کو دوسروں پر نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے گویا ایک قسم کی رسّہ کشی شروع ہو جاتی ہے۔ والدہ چاہے گی کہ میرے مزاج اور میری مرضی کے مطابق بہو گھر میں آئے۔ والد اپنی سوچ کے مطابق یہ کہے گا کہ مجھے تو اس قسم کی بہو چاہئے۔بہنیں بھائی کے لئے اپنا ایک تصور جمائے ہوئے ہوں گی اور بھائی (کم سے کم ہمارے معاشرے میں) بیچارا سب سے آخر پر آتا ہے، جس کی خواہشات جس کی تمنائیں خاندان کی چوکھٹ پر قربان ہونے کے لئے تیار رہتی ہیں اور والدین اکثر اپنی مرضی کو بیٹوں پر بھی ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں، بہنیں بھی ایسا کرتی ہیں لیکن لڑکیوں کے معاملہ میں تو حد سے زیادہ یہ زبردستی کی جاتی ہے اور ناحق بچی کے حق میں مداخلت کی جاتی ہے لیکن آگے پھر لڑکے کی اور لڑکی کی اپنی تمنائیں اور آرزوئیں ہیں وہ بھی مختلف ہوسکتی ہیں تو بیماریاں ایک سے زائد ہیں اور ایک سے زیادہ جگہ جڑ پکڑتی ہیں۔

اب اس ساری صورتحال کو پیش نظر رکھ کر اس مثال کو میں بعض جگہ مزید واضح کرتا ہوں۔اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ بعد ازاں جب رشتوں میں خلل واقع ہوتے ہیں تو ان کا آغاز کیسے ہوا تھا۔ بعض عورتیں اپنی جہالت میں یہ سمجھتی ہیں کہ بہو ایسی آنی چاہئے جس کو ہم جوتی کے نیچے رکھیں اور ہمیشہ اسکو زبردستی تابع فرمان رکھیں اور وہ صرف خاوند کی خدمت نہ کرے بلکہ خاوند کے باپ کی بھی خدمت کرے، اس کی ماں کی بھی خدمت کرے، اس کی بہنوں کی بھی خدمت کرے اور پھر اس سے آگے قدم بڑھا کر وہ کہتی ہیں کہ بہو کے سارے خاندان کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ نیچے رہیں، ان کو معلوم رہنا چاہئے اور یہ احساس ہمیشہ ان کے دل میں جاگزیں رہنا چاہئے کہ انہوں نے گر کر ہمیں بیٹی دی ہے اگر ہم نہ چاہتے تو ان کی بیٹی کو قبول نہ کرتے۔ ہم نہ پوچھتے تو اور کس نے

پوچھنا تھا۔رشتے کے انتظار میں اتنی دیر سے بیٹھے ہوئے تھے۔اس لئے ان ساری باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بیٹی ہی نہیں بلکہ بیٹی کا سارا خاندان بیٹے والے کے خاندان کے سامنے جھک جائے اور اس کے ساتھ پھر دماغ میں مزید مطالبے بھی آجاتے ہیں۔بعض مائیں کہتی ہیں کہ ہمارا بیٹا ہے، ماشاءاللہ اچھا تعلیم یافتہ ہے، ڈاکٹر ہے،اس کو ایسی بیٹی ملنی چاہئے جو اس کی ڈاکٹری تعلیم کا کچھ مزید انتظام کرے۔ یورپ کے سفر کا انتظام کرے۔امریکہ کے سفر کا انتظام کرے اور خواہ اس کے ماں باپ اپنی جائیداد بیچیں ،اپنے زیور بیچیں اپنے داماد کے مستقبل کو روشن تر کرنے کے لئے وہ اپنے گھروں کے دیے بجھادیں لیکن ان کا فرض ہے کہ وہ ایسا ضرور کریں پھر بعض ساسیں یہ تصور جمائے رکھتی ہیں کہ ان کی بہو ایسی آئے جو دولت سے گھر بھر دے ۔ ایک کار بھی لے کر آئے ، فریج بھی لے کر آئے، جوڑے لائے ، اپنی ساس کے لئے بھی ، اپنی نندوں کے لئے بھی ،ان کے رشتہ داروں کے لئے بھی اور ہم کسی کو بتا تو سکیں کہ کس قسم کی بہو ہمارے گھر آرہی ہے۔

اس قسم کی جاہل عورتیں ہیں جو اس دنیا میں بھی نہ صرف اپنی نسل کے لئے بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے جہنم پیدا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں اور یہی وہ جاہل عورتیں ہیں جو اپنی نسل کو خود جہنم میں جھونکتی ہیں۔وہ مائیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اُن کے پاؤں تلے جنت ہے وہ یہ مائیں نہیں ۔ یہ وہ مائیں ہیں جو ایسی بدنصیب ہیں کہ جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جنت کی خوشخبری یا جنت کی تمنا کی لیکن اس کے باوجود ان کی بدبختی ان کے پاؤں تلے سے ان کی اولاد کیلئے جہنم پیدا کرنے کا موجب بن گئی اور سارے معاشرے کو دکھوں سے بھر دیا۔ایسے تصور والی عورتیں شاذ کے طور پر نہیں ملتیں بلکہ بڑی بھاری تعداد میں آج دنیا میں موجود ہیں۔ پاکستان کے اخباروں میں ہندوستان کی بعض مظلوم لڑکیوں کا تو ذکر ملتا ہے جو جہیز نہ ملنے کے نتیجے میں زندہ جلادی گئیں لیکن پاکستان میں لاکھوں کروڑوں ایسی بدنصیب لڑکیاں ہیں جو زندہ جلا نہیں دی جاتیں تو زندہ درگور کردی جاتی ہیں۔ان کی ساری زندگی جہنم بن جاتی ہے اور ان کے والدین کی بھی۔تو نیتوں سے دیکھیں کس قدر بڑے فساد واقع ہوتے ہیں اور یہ فسادات پھر آگے بہت سے فسادات پر منتج ہوتے ہیں بعض دفعہ ایسی بچیوں کی طلاقیں ہوجاتی ہیں اور پھر اُن کے بچوں کے جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں اور پھر مقدمہ بازیاں شروع ہوجاتی ہیں ،احمدی معاشرے میں تو نہیں مگر غیر احمدی معاشرے میں قتل وغارت تک بات پہنچتی ہے اور مسلسل گھر برباد

ہو رہے ہیں اور مسلسل گھر اس بربادی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔اس جہنم کا سفر نیت سے شروع ہوا تھا اور نیتوں کی اینٹوں سے یہ سڑک تعمیر ہوئی اور اسی پر چلتے ہوئے خاندان کے خاندان اور ان کی نسلیں جہنم وارد ہونے کا سفر اختیار کرتی ہیں اور کسی کو ہوش نہیں آتی۔

پس نیت کا فتور ہے جو سب سے زیادہ خطرناک چیز ہے۔اس نیت کو آپ تقویٰ سے بھر دیں تو یہی زندگی جنت بن جاتی ہے اس کے برعکس بعض مائیں ایسی ہوتی ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، وہ اپنی بہو کے لئے نیک گن چاہتی ہیں۔نیک گن سے مراد ہے نیک اخلاق ، دیندار شریف الطبع اور میں جانتا ہوں بہت سی ایسی مائیں ہیں جو پیغام بھیجتی ہیں کہ ہمیں آپ کی کوئی چیز نہیں چاہئے۔ہمیں آپ کی بیٹی سے پیار ہے، بہت نیک فطرت ہے، سعید فطرت ہے، اچھی ہے ہمارے بیٹے کیلئے بھی اچھی ہوگی، اپنی اولاد کے لئے بھی اچھی ہوگی۔اس لئے آپ جس طرح چاہیں اس بیٹی کو رخصت کر دیں ہمیں اور کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں اور پھر اس بیٹی کو بڑی چاہت کے ساتھ گھر میں لاتے ہیں، چاہت کے ساتھ رکھتے ہیں اس سے ایسا حسن سلوک کرتے ہیں کہ وہ بیٹی ان پر فدا ہونے لگتی ہے۔بہت سے ایسے واقعات میرے علم میں ہیں۔ایسی ساسیں جن کی بہوئیں ان کو دعائیں دیتی ہیں اور ان کا گھر خدا کے فضل سے جنت نشان بن جاتا ہے۔ایسی ہی ایک نیک خاتون ابھی کچھ عرصہ پہلے لاہور میں فوت ہوئیں۔ہمارے منیر جاوید صاحب جو جلسہ سالانہ میں بڑی اچھی آواز میں نظم پڑھا کرتے تھے ان کی والدہ ہیں۔ان کی بہو مجھے ملنے آئی تو ذکر کرتے ہی اس قدر روئی، اس قدر اس کی آواز گلوگیر ہوئی کہ منہ سے بات نہیں نکلتی تھی میں حیران تھا کہ ساس فوت ہوئی ہے اور اتنا عرصہ بھی گزر گیا دو یا تین مہینے جتنے بھی تھے۔یہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی وہ کیسی ساس تھی۔اس نے مجھے ماؤں سے زیادہ پیار دیا ہے اور میری کمزوریوں کو اس طرح نظر انداز کرتی تھی جیسے مجھ میں کوئی کمزوری کبھی تھی ہی نہیں اور اس کی وجہ سے میری ساری زندگی اس کے لئے دعا بن گئی ہے اور میں ہمیشہ اس کو دعاؤں میں یاد رکھوں گی۔آپ بھی اس کیلئے دعا کریں۔ایسی ساسیں خدا کے فضل سے دنیا میں اور بھی ہیں اور مجھے سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے۔جب کوئی بہو ملاقات کے دوران اپنی ساس کا ذکر کرتی ہے تو محبت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ایسے بہت سے واقعات ہیں۔جرمنی میں ملاقاتوں کے درمیان بھی ایک بہو ملی تو اس سے میں

نے پوچھا کہ تمہاری ساس کا کیا حال ہے؟ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ساس زندہ ہے، اس کی وفات کا صدمہ نہیں تھا بلکہ محبت کی وجہ سے، اس نے کہا آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ کیسی احسان کرنے والی ساس ہے۔ کس طرح اس نے مجھے پیار دیا ہے اس کی برکت ہے کہ ہمارا گھر جنت بن گیا ہے۔ ایسی ساسیں یقیناً وہ مائیں ہیں جن کے متعلق حضرت محمد مصطفی ﷺ نے خبر دی کہ ان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

پس ایک عورت کی نیتوں کا سفر آپ دیکھیں۔ اس کا پہلا قدم فیصلہ کرتا ہے کہ میں نے اور میری اولاد نے جہنم کی طرف جانا ہے یا جنت کی طرف جانا ہے۔ کتنا گہرا ارشاد نبوی ہے۔ حکمتوں کے سمندر کو ایک کوزے میں بند فرما دیا ہے ساری انسانی زندگی کے تمام نفسیاتی مسائل کو حل فرما دیا جب فرمایا: انما الاعمال بالنیات یاد رکھنا تمہارے اعمال تمہاری نیتوں سے تشکیل پائیں گے۔ اگر تمہاری نیتیں جنت نشان ہوں گی تو تمہارے اعمال جنت نشان بنیں گے، اگر تمہاری نیتوں میں جہنم کی آگ ہوگی تو تمہارے اعمال بھی آگ کی وہ بھٹی بن جائیں گے جو ان میں پڑے گا وہ بھی جہنم میں مبتلا ہوگا اور جن کے وہ اعمال ہوں گے وہ بھی اس بھٹی میں جلیں گے۔

پس نیتوں میں فتور نہ ہونے دیں اور اسی سے ہمارے معاشرے کو جنت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ پھر اسی طرح والد ہے اُس کی نیتوں کا بھی بہت حد تک دخل ہوتا ہے۔ بعض والد چاہتے ہیں کہ ایسا رشتہ ملے جس کے نتیجے میں بیٹے کو نوکریاں اچھی مل جائیں، حسب نسب کے خاندانی تعلقات ایسے ہوں کہ اس کے نتیجے میں عزت اور مرتبہ بلند ہو۔ ایسا رشتہ ملے جس کے نتیجے میں اس کو جرمنی، انگلستان یا امریکہ میں رہائش نصیب ہو جائے۔ غرضیکہ کئی قسموں کے نیتوں کے فتور ہیں جو لے کر وہ اپنے خاندان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح خاوند کی بہنیں یعنی نندیں ہیں وہ بھی اپنا ایک الگ تصور جمائے رکھتی ہیں اور عموماً عورتوں کے تصور میں آنے والی پر حکومت کا تصور شامل رہتا ہے۔ پھر اس کے برعکس بھی صورت ہے۔ بعض بیٹیوں کو رخصت کرنے سے پہلے ان کی مائیں ان کی بہنیں ان کے عزیز اُن کے کان میں کئی قسم کی باتیں پھونکتے ہیں۔ ان کو کہتے ہیں خبردار، دب کر نہیں رہنا کوئی ایک بات کرے تو دس جواب دو، ایسی تیسی۔ کوئی تمہارے دوپٹے پر ہاتھ ڈالے تو اس کی چوٹی پر ہاتھ ڈال دو اس طرح دبکے سے رہو کہ شروع سے ہی سارا خاندان تمہارے نیچے لگ

جائے اور پھر مسلسل بیٹیوں کو سمجھانے کیلئے کانفرنسز ہوتی ہیں۔بیٹیوں کو گھر بلایا جاتا ہے اور ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو تمہاری ساس نے یہ بات کی، تمہاری نند نے یہ بات کی۔ایسا فساد ڈالو کہ خاوند ان کی گتیں پکڑ پکڑ کر اُن کو گھروں سے نکالے اور یا یہ دیکھو کہ خاوند کہیں اپنے ماں باپ پر اپنے بھائیوں پر اپنے عزیزوں پر خرچ تو نہیں کر رہا۔اگر وہ کر رہا ہے تو اس کے ہاتھ روکو۔یہ تمہاری اولاد کا حق ہے جو وہ دوسروں کو دے رہا ہے۔غرضیکہ کئی قسم کی کانفرنسیں ہو رہی ہوتی ہیں اور وہ یہ نہیں سمجھ رہے ہوتے کہ وہ بیٹی کے لئے جنت نہیں بلکہ جہنم بنا رہے ہیں۔پس قصور محض ایک طرف کا نہیں۔قصور بعض دفعہ دونوں طرف کا اور بعض دفعہ ایک طرف کا ہوتا ہے لیکن ہر دفعہ قصور نیت کا قصور ہوتا ہے اور نیتوں کا جو فتور ہے وہ دنیا میں یا جنت بن کر نکلتا ہے یا جہنم بن کر نکلتا ہے۔

پس اپنے بیاہ شادی کے معاملات کو طے کرنے میں سب سے پہلے اپنی نیتوں کا محاسبہ کرنا چاہئے تبھی قرآن کریم کی ایک آیت جس میں اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے نکاح کے موقعہ پر تلاوت کے لئے چنی اور وہ تین آیات جو نکاح کے موقعہ پر تلاوت فرمایا کرتے تھے ان میں ایک یہ آیت بھی داخل ہے کہ: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۷۱﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الاحزاب:۷۱تا۷۲)

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا اور سیدھی بات کہو۔یہاں سچی بات کا محاورہ استعمال نہیں ہوا بلکہ سیدھی بات کا محاورہ استعمال ہوا ہے اور اس پر جہاں تک میں نے غور کیا ہے سوائے اس کے کچھ سمجھ نہیں آتی کہ جو نیت میں ہے وہ بات بتایا کرو۔اس پر پردے ڈھانپ کر بات نہ کیا کرو۔

دو قسم کے قول ہوتے ہیں۔ایک پیچ والا قول ہے۔اس میں بعض دفعہ جھوٹ نہ بھی بولا جائے تو پیچ ڈال کر بات کی جاتی ہے اور اگلے کو کچھ سمجھ نہیں آتی تو یہ نہیں فرمایا کہ سچ بولو کیونکہ بعض دفعہ سچ بھی ایسا بولا جاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں مخاطب صحیح بات کو سمجھ نہیں سکتا اور جنگ کے موقعہ پر اسی قسم کا سچ ہے جسے آنحضرت ﷺ نے **خدعہ** قرار دیا یعنی اگر وہ جھوٹ ہوتا تو ہرگز انبیاء اس طرز عمل سے کام نہ لیتے۔رہتا سچ ہے مگر جنگ کے دوران جائز ہو جاتا ہے اور اس تھوڑے سے بھیس بدلے ہوئے

سچ کا نام **خدعہ** ہے یعنی ہے تو سچ مگر اس نے لباس ایسا اوڑھ لیا ہے کہ جس کے نتیجہ میں دوسرے شخص کو غلط خبر ملتی ہے اور اس میں کہنے والے کا قصور نہیں بلکہ اس کی ذہانت کو داد ملتی ہے۔ ایک موقعہ پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ جب غزوہ کی حالت میں تھے یعنی ایک غزوہ کے لئے دشمن سے مُٹھ بھیڑ کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو رستے میں ایک ایسا شخص آپ کو ملا جو ایک ایسے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جس کے متعلق خطرہ تھا کہ اگر وہ آپ کی منزل کا رخ بھانپ گیا تو دشمن کو مطلع کر دے گا اور اس کے نتیجہ میں جنگ میں Surprise کا جو Element ہوتا ہے یعنی تعجب کے نتیجہ میں دشمن کو زیر کرنا وہ ہاتھ سے جاتا رہے گا تو اس پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے جو سب سچوں سے بڑھ کر سچ بولنے والے اور سب سچوں کے سردار تھے، آپ نے اس شخص کو مخاطب کر کے ایک جگہ کا راستہ پوچھا اس جگہ جانا نہیں تھا۔ نہ یہ فرمایا کہ ہم وہاں جانا چاہتے ہیں بلکہ انسان کسی جگہ کا راستہ پوچھ لے۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ اس جگہ کا راستہ پوچھا اور آگے گزر گئے، بعد میں جب صحابہؓ نے پتہ کیا کہ یہ کیا بات تھی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو ایک جگہ کا راستہ پوچھا ہے اب اسکا اندازہ ہے وہ چاہے تو یہ اندازہ لگالے (حوالہ۔۔) کہ ہم ادھر جانا چاہتے ہیں اور پھر فتنہ پیدا کرنے کی خاطر دشمن کو بے شک اس کی اطلاع کر دے، ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں تو ذھانت بعض دفعہ سچائی پر ایک لباس اوراوڑھا دیتی ہے اور جنگ کے دوران یہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہو جاتا ہے اور اسے **خدعہ** کہا جاتا ہے مگر بیاہ شادی کے عام تعلقات میں خدا تعالیٰ اس کو بھی پسند نہیں فرماتا بلکہ سختی سے اس سے منع فرماتا ہے اور یہ وہ آیت ہے جس نے اس موضوع کو آپ کے سامنے کھول کر رکھا کہ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا اے مومنو! تم بیاہ شادی کے لیے ایک دوسرے کی طرف روانہ ہور ہے ہو، رشتے ڈھونڈ رہے ہو، رشتے طے کر رہے ہو، ایک بات یاد رکھنا کہ سیدھی بات (سچی بات نہیں سیدھی بات) کرنا سیدھی بات جو دل سے اٹھی ہے اور دل تک پہنچے، اس میں کوئی خم نہ ہو، کوئی فریب نہ ہو، دل کی بات ہے وہ بعینہٖ ویسی بیان کر دو۔ جس قسم کی تمہاری لڑکی ہے اسی قسم کی لڑکی بیان کروتا کہ دیکھنے والے کو کسی قسم کا دھوکا نہ لگے کہ اس لڑکی میں ایک یہ بھی نقص رہ گیا تھا جو ہمارے سامنے پیش نہیں کیا گیا، یہی حال لڑکوں کا ہوتا ہے۔

اس ضمن میں نیتوں کے فتور کا ایک اور بھی تماشہ ہے جو اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ دونوں

طرف کے لوگ اس نیت سے جاتے ہیں کہ دوسرے کی کرید کریں اور دونوں طرف کے لوگ اس نیت سے جاتے ہیں کہ وہ اپنی کرُید نہ ہونے دیں۔اب یہ قول سدید تو درکنار ٹیڑھے چلنے کی بدترین صورت ہے ۔لڑکے والے کی رشتہ دار مائیں،بہنیں وغیرہ اس نیت سے سفر کرتی ہیں کہ لڑکی کے اندر کوئی پرانی مرض بھی کبھی پیدا ہوئی ہو،کبھی بچپن میں آنکھوں کا ''ٹیر'' ہوا ہو یا کوئی ایسی بات ہو تو وہ بھی ہمارے علم میں آجائے تو ہم سنبھال کر رکھیں اور جب چاہیں ان کو طعنہ دے سکیں اور جہاں تک اپنی طرف کا تعلق ہے اس میں ہر بات پر پردہ ڈالا ہوا ہوتا ہے اور اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کئے جاتے ہیں۔ نہ ادھر قول سدید نہ اُدھر قول سدید اس کے نتیجہ میں کیا ہوگا قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں کھولا۔ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ تم سیدھی بات کرو گے تو اعمال کی اصلاح ہوگی ورنہ اعمال کی اصلاح نہیں ہوسکتی ورنہ فساد بڑھتا چلا جائے گا۔ پس اگر دونوں طرف کچھ کمزوریاں بھی ہوں لیکن اگر بات سیدھی کہی جائے اور صاف اور کھلی کھلی بات کہی جائے تو ان کمزوریوں کے دور ہونے کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں اور اصلاح کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں اگر کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا جائے اور قول سدید سے کام نہ لیا جائے تو اصلاح کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلاح تو اعتراف کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ایک انسان اپنے کسی نقص کا اعتراف کرتا ہے۔دیکھتا ہے کہ اس میں وہ کمزوری ہے۔اس کے نتیجہ میں اس کے نقص کے اندر شرمندگی کا ایک احساس پیدا ہوتا ہے اگر وہ اس کمزوری کو دوسروں کے سامنے بھی رکھ دیتا ہے تو نہ صرف مزید شرمندگی کا احساس بلکہ یہ ایک ارادہ دل میں پیدا ہوجاتا ہے کہ میں اس کو دور کرنے کی کوشش کروں اب تو غیر بھی اس کے واقف ہوگئے ہیں۔پس کچھ لوگ اپنے نقائص کچھ عرصے تک چھپائے پھرتے ہیں، کچھ عرصے کے بعد وہ دکھائی دینے لگتے ہیں تو زیادہ سنجیدگی سے ان کو توجہ پیدا ہوجاتی ہے۔میرے پاس کئی قسم کے جلدی مریض آتے ہیں۔ایک دفعہ ایک برص کا مریض تھا اس نے مجھے کہا کہ جی! برص تو ہے لیکن کوئی ایسی بات نہیں کپڑوں کے اندر ہی ہے ناں، چہرے پر نہیں آئی اور اس کے برعکس ایک مریض کے چہرے پر بالکل چھوٹا سا داغ واقع ہوا ہے اور کوئی مرض کا نشان نہیں تھا لیکن اس بیچارے کی زندگی اس فکر میں اجیرن ہو رہی تھی کہ یہ داغ میرے چہرے پر پڑ گیا ہے تو انسان بنیادی طور پر بہت ہی زیادہ نمائش والا جانور ہے اور بہت زیادہ اپنے

نقائص پر پردے ڈالنے والا جانور ہے۔ اس پہلو سے اگر وہ اپنی کمزوریوں کو چھپالیتا ہے یا سمجھتا ہے کہ چھپی ہوئی ہیں تو اُسے اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوگی جیسا کہ میں نے مریض کا بتایا ہے میں اس کے لئے دوائی تجویز کر رہا تھا لیکن اس نے کہا کہ جی! کوئی فرق نہیں پڑتا یہ کپڑوں کے نیچے ہی ہے کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں اگر چہرے پر ایک چھوٹا سا داغ بھی آجاتا تو وہ کئی ڈاکٹروں کے گھر پھرتا اور دیکھتا کہ شاید کہیں سے کوئی علاج مل جائے۔ تو اس لئے اصلاح کے لئے اپنی بیماری کا احساس بھی ضروری ہے کہ اب اس بیماری کا دوسروں کو بھی پتہ لگ رہا ہے یا پتہ لگنے والا ہے اور یہ واقعہ بیاہ شادی کے وقت ضرور ہوتا ہے۔ اگر کوئی انسان تقویٰ سے کام لینے والا ہو اور اس کی نیت میں یہ بات داخل ہو کہ وہ تین آیات جو اس نکاح کے موقع پر پڑھی گئی تھیں میں ان کا حق ادا کروں گا ورنہ وہ گویا میرے نکاح پر پڑھی ہی نہیں گئیں۔ اگر ان آیات کو سننے کے بعد ان کا حق ہی ادا نہیں کیا تو کسی کی بلا سے چاہے اس کے نکاح پر پڑھی ہوں یا کسی اور کے نکاح پر پڑھی گئی ہوں اس کے نکاح سے تو ان آیات کا تعلق باقی نہیں رہے گا اور یہ وہ مرکزی آیت ہے جس کا ہر شخص کے نکاح سے گہرا تعلق ہے اور اس کی آئندہ زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

پس قول سدید سے کام لینے والوں کے لئے پہلی منزل بہت مشکل ہے۔ بیاہ میں دلچسپی رکھنے والے ماں باپ جن کی بیٹیاں بڑی ہو رہی ہوں وہ جانتے ہیں کہ کتنا مشکل کام ہے۔ جب دیکھنے والا آتا ہے اور مختلف حالات کا جائزہ لیتا ہے تو اس وقت ساتھ یہ بتا دینا کہ جی! میری بیٹی کو یہ بیماری بھی ہے کتنے ماں باپ ہیں جن میں یہ ہمت ہے۔ پس یہ بہت ہی تلخ قدم ہے جو ان کو اٹھانا پڑتا ہے لیکن متقی ضرور اٹھائے گا اور جو تقویٰ کی بنا پر یہ قدم اٹھاتا ہے خدا اس کا خود کفیل ہو جایا کرتا ہے۔ اس بات کو لوگ بھلا دیتے ہیں۔ نصیحۃً پہلا قدم تو تلخ نہیں اٹھاتے لیکن اس کے بعد زندگی کے ہر قدم کو تلخ بنا دیتے ہیں۔ اس بیٹی کا پھر ہر سفر مصیبتوں اور اذیتوں کا سفر بن جاتا ہے۔ بار بار ہر طرف سے اس کو طعنے ملتے ہیں کہ تم وہی ہو جس کو یہ دورے پڑتے ہیں، تمہیں اس قسم کی بیماریاں ہیں، تم تو دھوکے کے ساتھ ہمارے گھر پر پھینک دی گئی ہو۔ ہم تو کبھی تمہارے منہ کی طرف بھی نہ دیکھتے اگر ہمیں یہ پتہ ہوتا کہ تم اس بیماری میں مبتلا ہو لیکن جو شخص خدا پر توکل کرتے ہوئے، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ قول سدید سے کام لینا ہے۔ قول سدید سے کام لینے کی نیت کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ خدا کا وعدہ ہے کہ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ

يُصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ میں میں بیماریوں کو بھی داخل کرتا ہوں کیونکہ خدا کی خاطر جہاں نیک نیتی کے ساتھ قول سدید سے کام لیا گیا ہے وہاں ایک مریضہ کی بیماری بھی اس میں داخل ہوگئی ہے، ایک مریض کی بیماری بھی اس میں داخل ہوگئی ہے تو میرے نزدیک اصلاح کا یہ وعدہ تو صرف ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ بیماریوں اور ہر قسم کے اور عوارض سے بھی ہے۔ پس میں سب احمدی گھرانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ شادی کے وقت وہ ہرگز اس لالچ میں کہ کہیں یہ دیکھنے والا بھاگ نہ جائے اپنی بیٹی یا اپنے بیٹے کے عیوب کو چھپائیں نہیں بلکہ خود بتائیں کہ یہ کمزوریاں ہیں۔اس کے بعد اگر کوئی قبول کرتا ہے تو بسم اللہ اور اسکے بعد قبول کرنے والا پھر خود کم سے کم اتنی عقل تو رکھتا ہوگا کہ اس چیز پر کسی کو طعنے نہ دے۔ عام طور پر بیماریاں اور تکلیفیں جاننے کے بعد پھر جو قبول کرتے ہیں وہ بڑے حوصلے والے لوگ ہوتے ہیں اور خدا کے فضل کے ساتھ ان کو حسن سلوک کی بھی توفیق ملتی ہے۔ چنانچہ میرے علم میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے بیماریاں دیکھیں، ان کو پتہ تھا کہ جو بہو گھر میں آنے والی ہے وہ کس کس عارضے میں مبتلا رہی ہے یا مبتلا ہے۔اس کے باوجود بعضوں نے خود مجھ سے ذکر کیا کہ ہماری بیٹیاں نہیں بیمار ہوتیں۔ یہ اللہ کی مرضی ہے جس کو چاہے بیمار بنادے جس کو چاہے شفا عطا کرے تو بچی اچھی ہے۔ نیک فطرت ہے۔ ہمیں منظور ہے اور آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ خدا کے فضل سے خدا تعالیٰ کے ایسے نیک اور پارسا بندے بھی موجود ہیں جو تقویٰ کی بناء پر بیاہ شادی کے فیصلے کرتے ہیں۔

پھر جہاں تک دولہا اور دلہن کی نیتوں کا تعلق ہے اس میں بہت سے فتور واقع ہو جاتے ہیں جبکہ بہت سی ایسی نیتیں بھی ہیں جو پاک اور شفاف رہتی ہیں۔ بعض دولہا شکلوں کے پیچھے مرتے پھرتے ہیں کہ شکل ہوئی تو ٹھیک ہے۔ پھر ہماری زندگی جنت بنے گی حالانکہ ان کو پتہ نہیں کہ شکلیں تو صرف لباس ہیں۔ بعض لباسوں میں نہایت منحوس لوگ قید ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض خوبصورت شکلوں کے اندر ڈائنیں بستی ہیں اور اس کے برعکس بعض بدزیب پنجروں میں بند بڑے بڑے خوبصورت پرندے دیکھے گئے ہیں تو حقیقت میں دین ہی ہے جس کو فیصلے میں سب سے زیادہ اہمیت دینی چاہئے اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے لفظ دین رکھا ہے جو ایک بہت ہی وسیع لفظ ہے۔ دین میں صرف مذہب شامل نہیں بلکہ مزاج، عادات، طرز زندگی وغیرہ سب کچھ دین کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ پس ایسا کفو ڈھونڈنا چاہئے جس میں ایک اچھے مزاج کی نیک فطرت، پاک فطرت عورت ہو یا اسی طرح

خاوند میں بجائے اس کے کہ دنیا کی وجاہتیں تلاش کی جائیں اگر یہ دیکھا جائے کہ نیک مزاج ہو، حلیم طبع ہو، شریف النفس ہو، پیار کرنے والا ہو، دوسرے کی خوبیوں کی قدر کرنے والا ہو، دوسرے کی بدیوں سے صرف نظر کرنے والا ہو حوصلے والا انسان ہو تو خواہ وہ نسبتاً غریب بھی ہو یا آغاز میں غریب بھی ہو تو ایسے شخص کے ساتھ لڑکی کو رخصت کرنا لڑکی کو جنت کے سپرد کرنے والی بات ہوا کرتی ہے اور اگر اس وقت نہیں تو کچھ عرصے کے بعد خدا تعالیٰ ان کے مالی حالات بھی درست فرما دیا کرتا ہے اور بہت سی برکتوں سے ایسے گھروں کو بھر دیتا ہے جہاں تک ظاہری شکل کے پیچھے چلنے والے یا ظاہری شکلوں کو معیار بنانے والے نوجوانوں کا تعلق ہے ان کا شکل کو اتنی اہمیت دینا اُن کے لئے بعد میں مزید اور مسائل پیدا کر دیتا ہے کیونکہ لڑکی کی شکل ہمیشہ ویسی نہیں رہا کرتی اور کچھ دیر کے بعد ایک شکل کو دیکھ دیکھ کر اس سے دل بھی بھرنے لگ جاتا ہے۔ بیاہ سے پہلے کی دکھائی ہوئی شکل اور چیز ہے اور بیاہ کے چند مہینے کے بعد یا حمل کی حالت میں اسی بیوی کو، اسی شکل کو دیکھنا یہ بالکل اور نظارہ ہے اور شکل کی تمنا اُن کے اوپر ایسی غالب ہوتی ہے کہ وہ باہر شکلیں تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ان کے گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ **یہ ناممکن ہے کہ شکل کے ساتھ وفا پیدا ہو سکے۔ وفا ہمیشہ گنوں سے ہوتی ہے۔ وفا ہمیشہ حسن اخلاق سے پیدا ہوتی ہے خالی صورت سے کوئی وفا نہیں پیدا ہوتی۔**

ایک بزرگ کے متعلق قصہ آپ نے بھی سنا ہے۔ میں آپ کو سُنا چکا ہوں لیکن شاید بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو نہ سُن سکے ہوں۔ وہ قصہ اس صورتحال پر خوب اطلاق پاتا ہے۔ ایک بزرگ کی بیٹی سے کسی کو محبت ہوگئی اور وہ شخص ایسا تھا جس کے متعلق ان کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ اچھا نہیں ہے اس لئے وہ کسی قیمت پر بھی اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ رخصت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے اور وہ پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ بار بار خط لکھتا تھا، پیغام بھیجتا تھا۔ کہتا تھا میں تو ایسا آپ کی بیٹی پر عاشق ہوں کہ اس کے بغیر میری زندگی نہیں گزر سکتی، میں تو ختم ہو جاؤں گا اس لئے مجھ پر رحم کریں لیکن وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک صاحب حکمت بزرگ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کو شکل سے پیار ہے اس کو عادتوں یا مزاج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے آخر تنگ آ کر اس کو دو یا تین ہفتے کا کہا کہ اچھا تم اس عرصے میں آ کر اپنی بیوی کو ساتھ لے جانا، میں تیار ہوں۔ خیر وہ بہت خوش ہوا اور دو تین ہفتے کے بعد جب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ وہی لڑکی سوکھ کر کانٹا ہوئی ہوئی اور اس کے

بال جھڑے ہوئے ،اس کے ہوش وحواس غائب ہوئے ہوئے ، اپنی پرانی شکل وصورت کا ایک پنجر بنی ہوئی تھی تو اس نے حیرت سے کہا کہ یہ لڑکی؟ اس کے ساتھ تو میں نے شادی کرنی نہیں چاہی تھی۔انہوں نے کہا بالکل وہی چیز ہے صرف یہ ہے کہ اس کے بال میں نے Shave کر دیئے ہیں اور اُتر وا دیئے ہیں اس لئے گنجا سر تمہیں نظر آ رہا ہے اور اس کو میں نے اتنے لمبے عرصے تک جلاب دیئے ہیں تا کہ اس کا بدن گھل جائے لیکن بال بھی محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور جلاب میں جو کچھ نکلا وہ بھی محفوظ رکھا ہوا ہے اس کی بالٹیاں بھی تیار ہیں۔یہی سب کچھ ہے جس سے تمہیں محبت تھی۔اس میں کوئی چیز میں نے کم نہیں کی۔پس یہ بالٹیاں اٹھاؤ، یہ بال اٹھاؤ اور یہ لڑکی لو اور اپنے گھر روانہ ہو جاؤ تب اس کی آنکھیں کھلیں کہ دنیا کے عارضی حسن کی محبت کیا حقیقت رکھتی ہے۔اس بزرگ نے تو عملاً اس پر یہ ثابت کرنے کا یہ ذریعہ اختیار کیا کہ ظاہری حسن سے اگر تمہیں محبت ہے تو تم اگر قسمیں کھا کر بھی کہو کہ تم وفا کرو گے تو ہم جانتے ہیں کہ تم کرو بھی تو حسن وفا نہیں کرے گا۔جس سے تمہیں پیار ہے اگر اس میں ہی وفا نہ ہو تو تمہارا تعلق کیسے ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کئی رنگ میں ظاہر ہوتی رہتی ہے کئی حادثے ہو جاتے ہیں۔کئی طرح سے شکلیں ضائع ہو جاتی ہیں یا بعض شکلیں ایسی ہوتی ہیں جو جوانی میں خوبصورت لگتی ہیں لیکن عمر کے ساتھ ساتھ زیادہ بھیانک ہونے لگ جاتی ہیں بعض جسم ایسے ہوتے ہیں جو کنوار پن میں خوبصورت دکھائی دیتے ہیں مگر شادی کے بعد وہ بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں اور بعض خاندانی مزاج ہیں جوان باتوں کو طے کرتے ہیں تو شکل اور جسم کو بیاہ شادی کے موقعہ پر خدا بنا لینا اور یہ سمجھنا کہ اس کے بغیر گزارا نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔ایسے خدا ہمیشہ ان عبادت کرنے والوں سے بے وفائی کرتے ہیں لیکن جو لوگ دین کو اپناتے ہیں خدا کی خاطر حسن خلق کی تلاش میں رہتے ہیں، نیکیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔نیکیوں کے متعلق قرآن کریم نے وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ (الکہف:۴۷) فرمایا کہ نیکی کی تعریف میں ہمیشہ رہنا شامل ہے وہ کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہے اور حسن خلق اگر وہ سچا ہو اور خدا تعالیٰ کی محبت میں اس کی بنیاد ہو تو ایسا حسن خلق جامد نہیں ہوا کرتا بلکہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ:آیت ۵) تیرا کوئی دن بھی ایسا نہیں جو تجھے حسین تر نہ بنا رہا ہو۔لوگ بڑھاپے کی طرف حرکت کرتے ہیں تو جسم بالآخر اپنے سارے

حسن کھو بیٹھتا ہے یہاں تک کہ دماغی نشوونما بھی چلتے چلتے رُک جاتی ہے اور پھر رو بہ انحطاط ہوجایا کرتی ہے۔ ارذل العمر تک بھی لوگ پہنچ جاتے ہیں لیکن حسن خلق اور نیکی کا حسن ایسا ہے جو نہ صرف جوان رہتا ہے بلکہ اس کی جوانی میں ہمیشہ نئے رنگ بھرتے رہتے ہیں۔ پہلے سے زیادہ دلکش ہوتا چلا جاتا ہے تو اس لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ ساری باتیں تمہارے سامنے خوبصورت لباس اوڑھ کر آئیں گی کہ ہمیں چن لو کبھی تمہیں حسب نسب دکھائی دے گا کہ ہاں حسب نسب ہو تو رشتے اچھے ہوں گے اور کبھی تمہیں مال دکھائی دے گا کہ ہاں مال ہو تو پھر رشتے اچھے ہوں گے۔ کبھی بڑے مرتبے اور نوکریاں دکھائی دیں گی۔ کبھی حسن تمہارے سامنے اپنا جلوہ دکھائے گا اور تمہاری آنکھوں کو خیرہ کرے گا مگر یہ ساری چیزیں عارضی اور فانی اور بے حقیقت ہیں۔ جو چیز باقی رہنے والی ہے وہ دین ہے حسن خلق ہے۔

حسن سیرت ہے اگر اس کو تم اپناؤ گے تو تمہاری شادیاں کبھی ناکام نہیں ہونگی لیکن جوان کو بہتر سمجھتے ہیں اُن کی ناکام نہیں ہوتیں اور اس کا تعلق نیت سے ہے۔ ایک ہی شخص اگر اپنی نیت میں دین کو داخل کرتا ہو اور دین کو اہمیت دیتا ہو تو اس کا رشتہ ہمیشہ بہتر ہوتا چلا جائے گا۔ یعنی نکاح کے بعد، رخصتانے کے بعد، بچوں کے بعد جسم انحطاط بھی کر رہے ہوں گے لیکن جس کی نیت میں یہ بات داخل ہو کہ مجھے حسن فطرت چاہئے اس کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق عطا فرمائے گا کہ وہ اپنی بیوی سے محبت میں بڑھتا رہے گا اور بیوی اس کی محبت میں بڑھتی رہے گی کیونکہ حسن فطرت ترقی کیا کرتا ہے، حسن خلق ترقی کیا کرتا ہے وہ حسن فطرت اور وہ حسن خلق جس کی بنیاد خدا کی محبت میں ہو وہ ہمیشہ ترقی پذیر رہتے ہیں لیکن جس کی نیت میں شروع سے ہی مال ہو یا اور باتیں ہوں اس کیلئے یہ دین بجائے خوشی پیدا کرنے کے مصیبت بن جائے گا۔ اس کے لئے ایک سوہان روح ہوجائے گا اور اس کو دین کوئی فائدہ نہیں دے گا اس لئے دین فی ذاتہٖ خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو جب تک چاہنے والے کی نیت میں دین نہ ہو اس وقت تک باہر سے ملا ہوا دین اس کو کوئی فائدہ نہیں دیا کرتا۔ پس آخری تان پھر اسی بات پر ٹوٹتی ہے کہ انما الاعمال بالنیات جو باہر سے چیز نظر آ رہی ہے اس کی خواہ کوئی بھی اہمیت ہو عقلاً آپ ثابت کر دیں کہ فلاں چیز بہتر ہے جب تک سفر کرنے والے کی نیت میں وہ چیز داخل نہ ہو اس کا مطلوب نہ بنی ہو اس وقت تک اس کو کوئی فائدہ نہیں دے گی چنانچہ بعض عورتیں بیچاریاں ایسی ہیں جو بہت ہی خوبیوں کی مالک ہوتی ہیں لیکن ساری زندگی یوں محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک لالۂ

صحرا ہیں۔صحرا میں کھلنے والا لالے کا پھول ہیں جس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔خاوند موجود ہے ساس موجود ہے دوسرا گھر بھرا پڑا ہے لیکن اس کی خوبیوں پر نظر ہی کوئی نہیں گویا وہ موجود ہی نہیں ہیں اور سخت محرومی کا شکار رہتی ہے۔اسی طرح بیچارے وہ مرد ہیں جو بڑی خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں لیکن جس گھر میں شادی کرتے ہیں وہ دنیا دار ہے۔اُن کے نزدیک ان چیزوں کی اہمیت ہی کوئی نہیں ہے کہ کوئی دیندار ہے،کوئی نیک فطرت ہے،کوئی قدر شناس ہے۔وہ یہ دیکھتے ہیں کہ دنیاوی لحاظ سے یہ چالاک ہے کہ نہیں سمارٹ نظر آنے والا ہے کہ نہیں،فیشن پرست ہے کہ نہیں،سوسائٹی میں جاتا ہے کہ نہیں سیاستدان ہے کہ نہیں۔اس قسم کی چیزوں میں ان کو دلچسپی ہوتی ہے چنانچہ ایسا مرد بیچارا یوں لگتا ہے جیسے نہ صرف یہ کہ صحرا میں کھلا ہوا لالہ ہے بلکہ بھینسوں میں گھرا ہوا لالہ بن جاتا ہے۔کوئی قدر نہیں وہ اپنی بدبو سے لالے کی خوشبو پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں۔چنانچہ آپ کی زندگی کی کامیابی کا آخری فیصلہ نیت پر ہی ہوگا اور پہلا فیصلہ ہے جس نے آخری فیصلہ بننا ہے۔

بہت سے خطوط میں میرے سامنے یہ واقعات پیش ہوتے رہتے ہیں۔ایک ایسا خاندان ہے جس کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ماں نے بھی مجھے خط لکھا اُس کے بیٹے نے خود بھی خط لکھا کہ ہماری زندگی عجیب اجیرن بن گئی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتی کہ ہم کیا کریں۔بڑی چاہت سے ایک لڑکی کو گھر لائے تھے اس خیال سے کہ بزرگوں کی اولاد ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ کی اولاد ہے اور ایسا خاندان ہے جو جماعت میں معروف ہے لیکن لڑکی ایسی دنیا پرست ہے کہ جب بھی میں دین کی خاطر قربانی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔کوئی چندہ دینے کی کوشش کرتا ہوں تو گھر میں ایک جہنم بن جاتی ہے یوں لگتا ہے کہ گھر میں سکون کو آگ لگا دی گئی ہے بچوں کے سامنے بولتی، گند بکواس کرتی۔ہر وقت یہ طعنے دیتی کہ مولویوں کے پلے میں کہاں پڑ گئی۔نہ عقل نہ سمجھ۔اپنے بچوں کی بھلائی اپنے ہاتھوں سے جماعت کے نام پر پھینکتے چلے جارہے ہو اور پتہ ہی کوئی نہیں کہ اپنا بھی کوئی حق ہے وہ لکھنے والے لکھتے ہیں کہ جو کچھ خدا نے دنیا کی نعمتیں مجھے دی تھیں وہ ساری میں نے اپنی اولاد کو بھی دیں۔اپنی بیوی کو بھی دیں ان کے لئے کبھی کوئی کمی نہیں رکھی،اس کے باوجود دل کی خساست کا یہ حال ہے اور دنیا داری کا یہ حال ہے کہ دین کی خاطر معمولی قربانی بھی گوارا نہیں تو چونکہ یہاں دھوکا ہوا ہے۔اس بیچارے کا نیت کا سفر درست تھا لیکن اس کے باوجود چونکہ ایک انسانی فیصلہ

غلط بھی ہوسکتا ہے۔ کچھ چھپانے والے چھپا لیتے ہیں اس لئے دوسرے کی نیت کا فتور ان بیچاروں کے لئے جہنم بن گیا۔ تبھی قرآن کریم کی وہ آیات جو نکاح کے موقعہ پر تلاوت کی جاتی ہیں وہاں تقویٰ کی تکرار پائی جاتی ہے ایک کا تقویٰ کافی نہیں ہوگا تم دونوں کے لئے ضروری ہے کہ تقویٰ اختیار کرو ورنہ ممکن ہے کہ ایک طرف کا تقویٰ ضائع چلا جائے کیونکہ دوسرا فریق تقویٰ اختیار نہیں کرتا اور ایک کے ظلم کے نتیجے میں دوسرا فریق بھی مظلوم ہو جائے گا۔ پس ایسے واقعات بھی دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کا ایک ہی حل ہے اور وہ حل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے سامنے پیش کیا اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی اور آپ نے ہمیں اس مسئلے اور اس کے حل سے مطلع فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ سنت تھی کہ آپ جب خانہ کعبہ آباد ہو گیا اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گھر آباد ہوا اور وہاں بڑی رونق ہوئی تو آپ اس عرصہ میں کئی بار دوبارہ وہاں تشریف لائے اور وہاں جا کر آپ حالات کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب آپ وہاں تشریف لائے تو حضرت اسماعیلؑ موجود نہیں تھے۔ آپ نے ان کی بیوی سے گفتگو کی اور یہ معلوم کیا کہ بیوی نہ مہمان نواز ہے نہ اور اخلاق سے آراستہ ہے بلکہ ایک ایسی قسم کی چیز ہے جو اسماعیلؑ کی شایان شان نہیں۔ چنانچہ انہوں نے چونکہ جلدی جانا تھا اور حضرت اسماعیلؑ کسی لمبے سفر پر گئے ہوئے تھے اس لئے بیوی کو یہ کہا کہ جب تمہارا میاں واپس لوٹے تو اس کو کہنا کہ تمہارا باپ آیا تھا اور یہ نصیحت کر گیا ہے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دو۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ نے جب یہ بات سنی تو فوراً اس بیوی کو طلاق دی اور کہا کہ میرے باپ نے جو نصیحت کی ہے وہ برحق ہے اور اس کے بعد پھر دوسری شادی کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ ایسی نیک اور پارسا خاتون تھیں کہ اس کے نتیجہ میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ بھی بعد ازاں اسی کی صُلب سے پیدا ہوئے تو دیکھیں کہ اچھی اور نیک بیوی کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اگر اس وقت کوئی یہ اعتراض کرتا کہ دیکھیں حضرت ابراہیم کو کیا حق تھا کہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے اور بیٹے کے گھر کو برباد کر کے وہاں طلاق واقع کروا دیتے تو اس جاہل کو یہ پتا نہیں کہ جو اھل اللہ ہوتے ہیں، جو خدا تعالیٰ کے نور سے روشن ہوتے ہیں وہ خدا تعالیٰ سے فراست پاتے ہیں۔ ان کو پتا ہے کہ کس چیز کو اہمیت دینی ہے اور کونسی دوسری چیزیں بے معنی اور حقیر ہیں۔ آپ جانتے تھے کہ حضرت

اسماعیلؑ کو ایک بہت بڑا مرتبہ عطا ہوا ہے، ان کی نسل سے آئندہ زمانے کے سارے انسانوں کی نجات وابستہ ہے اور یہ وہ ماں نہیں ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ پس اگر وہ فیصلہ نہ کرتے تو گویا دنیا کے لئے جہنم کا فیصلہ کر رہے ہوتے لیکن آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بیٹے کو ویسی بیوی ملنی چاہئے جو آئندہ نسلوں کے لئے وہ ماں بنے جن کے پاؤں کے نیچے سے جنت کے چشمے پھوٹ پڑیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی صورت میں جو واقعہ رونما ہوا اور آپ کے فیض سے دنیا پر جنت کے جو سیلاب آگئے یہاں تک کہ قلزم بھر گئے، جو لق دوق صحرا تھے وہ روحانی لحاظ سے سمندروں میں تبدیل ہو گئے تو دراصل اس فیصلے کو اس فیض میں ایک دخل حاصل ہے۔ کتنا گہرا فیصلہ تھا ایک چھوٹا سا پیغام تھا کہ چوکھٹ بدل دو۔ تو جو خاوند اپنے مستقبل پر نظر رکھتے ہیں جو خاوند یہ بھی جانتے ہیں کہ ان ہی آیات میں جو نکاح کے موقعہ پر تلاوت کی جاتی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ (سورۃ الحشر: ۱۹)

خبر دار! جو کچھ تم آگے بھیجو گے اس کے بارہ میں جوابدہ ہو گے۔ اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ اگر میں نے اس آیت کے مضمون کو بھلا دیا اور اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے آگے جہنم بھیج رہا ہوں تو میں خدا کو کیسے جواب دوں گا؟ تو یقیناً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلے کی اہمیت اس پر خوب روشن ہو کر ابھرے گی۔ ایسے موقع پر اگر وہ کامل سنجیدگی کے ساتھ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ایک بے دین بیوی کو اپنے گھر رکھ کر اپنی اولادوں کے لئے میں جہنم پیدا نہیں کر سکتا اور اس کو صاف کہنے پر تیار ہو جاتا ہے اور یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ جو کچھ مجھ پر گزرے گی میں اب بے دینی برداشت نہیں کروں گا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اکثر بیویوں کی اصلاح بھی ہو جائے گی کیونکہ ایسی ہی بیویاں شوخیاں دکھاتی ہیں جو یہ سمجھتیں ہیں کہ خاوند کمزور ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ خاوند دین کی باتیں تو کر رہا ہے مگر دین کو اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ مجھ سے جُدا ہو جائے اور اپنے لئے دوبارہ تنہائی کی ایک زندگی اختیار کر لے لیکن عزم کی بات ہے۔ اہمیت کی بات ہے۔ اگر خاوند کی نیت جیسا کہ اُس نے لکھا واقعۃً دین کی تھی تو اتنے عرصہ سے وہ دیکھ رہا ہے کہ دین نصیب نہیں ہو رہا بلکہ دین کے برعکس صورت حال ہے تو پھر وہ خود قصوروار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی نیت میں اگر چہ دین کا ایک خیال شامل تو تھا مگر وہ محض ایک سرسری خیال تھا۔ اُسے بنیادی حیثیت حاصل نہیں تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انما الاعمال بالنیات یہاں نیت کو بنیاد کے طور پر پیش فرمایا ہے، ایک سرسری خیال

کے طور پر نہیں۔ پس ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے آپ جب تقویٰ کے مضمون کو اپنی روزمرہ کی زندگی پر جاری کر کے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک سادہ سے بیان میں کتنی پُر پیچ باتیں بھی بیان ہو چکی ہیں اور تان اسی بات پر آ کر ٹوٹتی ہے کہ **انما الاعمال بالنیات** اور اس کی بہترین تصویر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے یوں فرمائی کہ

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے

اور جب آپ نے یہ کہا تو الہامی مصرعہ اس کے بعد یہ ہوا جو اس شعر کا دوسرا مصرعہ بن گیا کہ

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اس جڑ کی حفاظت کرو۔ اس کی خاطر ہر دوسری چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور یقین رکھو کہ تمہیں سب کچھ مل گیا۔ خدا کرے کہ ان ہی بنیادوں پر ہم اپنے آئندہ معاشرے کی تعمیر کریں اور آئندہ آنے والی نسلیں صرف سو سال نہیں ہزاروں سال تک ان نعمتوں سے حصہ پائیں اور ہماری شکر گزار رہیں اور ہمیں دعائیں دیں اور اللہ تعالیٰ اس فیض کو ہمیشہ ہمارے لئے اور ہماری اولادوں کے حق میں جاری رکھے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ (آمین)

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور انور نے ارشاد فرمایا:

جیسا کہ اعلان کیا جا چکا ہوگا کہ جلسہ کے مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہاں چونکہ ظہر کے وقت بہت زیادہ لوگ باہر سے آتے تھے اور ان میں سے بہتوں کے لئے عصر تک ٹھہرنا ممکن نہیں تھا اس لئے نمازیں جمع کی جاتی رہیں لیکن اب چونکہ مہمانوں کی تعداد میں کمی آ چکی ہے اور دوسرے لمبے عرصہ تک ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنے پر دل میں ویسے بھی بوجھ پڑتا ہے کیونکہ دن لمبے ہیں اس لئے کل سے انشاء اللہ تعالیٰ ظہر و عصر کی نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا ہوں گی۔ ظہر کی نماز دو بجے اور عصر کی نماز پانچ بجے ادا ہوگی لیکن رات چونکہ ابھی نسبتاً چھوٹی ہے اور مہمانوں کو دور دور جگہوں پر واپس جانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے اور بعض دفعہ سواریاں بھی میسر نہیں آتیں اس لئے رات کے وقت مغرب و عشاء کی نمازیں سر دست کچھ عرصہ تک جمع ہوتی رہیں گی۔ اور جب میں حالات کا جائزہ لے کر مناسب سمجھوں گا اس وقت دوبارہ اعلان کر دوں گا کہ وہ بھی پھر اپنے اپنے وقت پر الگ الگ ادا ہوں۔